© rasailojaraid.com

جناب مفتی محمد عبید اللہ خان عفیف

فتاویٰ

سوال : آج کل عدالت کے ذریعے جو نکاح فسخ کروایا جاتا ہے اور اس پر فیصلہ بھی یک طرفہ ہوتا ہے، کیا اس حکم و فیصلے سے طلاق شرعی وارد ہو جاتی ہے؟ اس طرح وہ عورت آگے نکاح کر سکتی ہے؟ کتنے عرصہ بعد نکاح کرے؟ بینوا توجروا من اللہ تعالیٰ رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدارین! (سائل محمد یوسف لائل پور)

الجواب بعون الوہاب، الیہ المرجع والمآب

اقول وباللہ التوفیق وبہ استعین لاحول ولا قوۃ الا باللہ المبین!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں اپنی گذارشات سے قبل ایک ضروری تمہید اٹھائی جائے اور وہ یہ ہے کہ ازدواجی معاملات میں دو چیزیں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں:

۱۔ اخلاق و عفت کی حفاظت۔ جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے،

"وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" (النساء رکوع ۴:۴)

"محرام شدہ عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں تم پر حلال کی گئیں بشرطیکہ شہوت رانی مقصد نہ ہو بلکہ نکاح میں لانے کے لئے تم اموال کے بدلے میں ان کو حاصل کرنا چاہو"۔

اور دوسری آیت میں ہے:

"فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُحْصِنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ط

کہ "تم ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور مناسب طریقہ سے ان کے مہر ادا کرو تاکہ وہ پاکدامن بنیں نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے بدکاری کرنے والیاں۔"

نیز فرمایا:

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط

یعنی کسی عورت کو معلقہ نہ چھوڑو۔

۲۔ دوسرا مقصد مودت و رحمت ہے۔ مغربی نظریہ کے علی الرغم اسلام نے نکاح کو پاکیزہ محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور زوجین بنائے ہی اس لئے گئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے آرام و سکون کا باعث بنیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً"

کہ "اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہی سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

کہ عورتیں تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔

گویا اس آیت میں بھی یہی مضمون سمویا گیا ہے۔

اور آیۂ ذیل میں بھی یہی ارشاد ہے:

"فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط

کہ "یا تو بھلے طریقہ سے ان کو اپنے پاس رکھا جائے اور یا پھر خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا جائے۔"

——— پھر "عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" جیسی جامع کلام، فرحت التیام بھی اسی سلسلہ کی ایک مضبوط قانونی دستاویز ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ"

نیز:

"خیارکم خیارکم بالنساء"

یہ دونوں حدیثیں بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں ـــــ پس انہی دو اہم اور پاکیزہ مقاصد کے حصول کے لئے شادی رچائی جاتی ہے اور اس راہ کی کٹھن سے کٹھن رکاوٹوں کو بصد خوشی برداشت کر لیا جاتا ہے - اگر کوئی جوڑا ان مقاصد کے حصول میں ناکام ہو جائے تو اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کی نشو و نما پر انتہا کی محنت کی گئی ہو لیکن اس کے بارآور ہونے کی کوئی توقع نہ ہو - لہٰذا ایسے جوڑے کو ایک دوسرے کے ساتھ چپکائے رکھنے میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسے جوڑے کے بندھن کھول دئیے جائیں - چنانچہ اسلام نے میاں بیوی کو اپنے اپنے حقوق کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے سے گلو خلاصی کرانے کی اجازت و رعایت قانونی طور پر دے رکھی ہے - مرد کے اس حق کو اسلام نے طلاق سے تعبیر فرمایا ہے اور عورت کے حق کا نام خلع اور فسخ رکھا ہے -

اگر کوئی عورت اخلاقی دباؤ کو پسِ پشت ڈال کر اور خاندانی رسم و رواج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے (خواہ بلاوجہ) اپنے خاوند سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے اور یہ شوہر اگرچہ کتنا ہی حسین و جمیل، غنی اور تونگر، شریف و متین، زیرک و دانا، صاحب حسب و نسب، تنومند، بے عیب و بے داغ، نرم خو، متحمل اور منصف کیوں نہ ہو، عورت کے اس حق کو پاؤں تلے روندا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کے مطالبہ کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا اساسی حق ہے - اور پھر اگر ایسی عورت کو اسی خاوند کے ساتھ نباہ کرنے کے لئے مجبور بھی کر دیا جائے تو بھی وہ عورت ان بنیادی مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی - اس کے دل کی دنیا سدا اجڑی رہے گی - اور اس کی سکون ناآشنا زندگی سکون حاصل کرنے کے لئے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر آئے گی اور ایسی صورتوں میں جو مفاسد جنم لیں گے وہ فسخ، خلع، طلاق اور تفریق کی قباحتوں (جن کو قباحتیں سمجھ لیا گیا ہے) سے کئی گنا زیادہ مسموم اور ہولناک ہوں گے - افسوس کہ میری قوم بھی اس مہلک مرض میں سختی سے مبتلا ہے - یا للعجب والی اللہ المشتکی!

ـــــــــــ

معاشرہ کو متعفن کرنے والے [illegible] ایک اہم عامل ہے - اور جس کے اثراتِ بد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انکار ممکن نہیں! ـــــــ اب ہم آپ کے سوال کی طرف آتے ہیں، اس کی تین شقیں ہیں:

(ا) کیا حاکم کے یک طرفہ فیصلہ سے طلاقِ شرعی وارد ہو جاتی ہے؟

(ب) اگر یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا وہ عورت آگے نکاح کر سکتی ہے؟

(ج) ایسی عورت کتنی مدت کے بعد نکاح کرے؟

جواباً عرض ہے کہ عورت جب بندِ نکاح سے خلاصی حاصل کرنے کی سعی کرے تو اسے طلاق نہیں کہتے بلکہ شرعی اصطلاح میں اسے خلع، فسخ نکاح اور افتدا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اگر مرد اپنے گلے سے اس بندھن کو اتارے تو اس کا نام طلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ فعل طلاق کو شوہر کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً:

۔ "اذا طلقتم النساء" "فان طلقها" "وان عزموا الطلاق" "بیدہ عقدۃ النکاح" وغیرہ وغیرہ

د۔ عورت کو اسلام نے اپنا حق استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر عورت پر کوئی پابندی لگائی ہے تو وہ قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہے مثلاً:

"لا تسئل المرأۃ زوجھا الطلاق فی غیر کنھہ فتجد ریح الجنۃ" (ابن ماجہ ص۱۴۸)

اسی طرح ابوداؤد میں ایک روایت (ص۳۰۳) ہے اور ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۳ میں بہت سی احادیث اس اخلاقی پابندی کے سلسلہ میں وارد ہیں جن کا صرف حوالہ ہی ہم اختصار کے پیش نظر دینے پر اکتفا کر رہے ہیں)

بہر حال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت ان اخلاقی قیود کو پھاند جائے یا انکی پرواہ نہ کرے تو اسلام مزید کوئی قانونی پابندی اس پر نہیں لگاتا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں علیحدگی کا کوئی فیصلہ یک طرفہ ہی ہو سکتا ہے جو یقیناً جائز اور شرعی ہوگا۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس کی بیوی حبیبہؓ بنت سہل اور اس کی دوسری بیویوں کے درمیان فیصلے کئے تھے اور قرآن مجید کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا ایسا فیصلہ، شرعی ہوگا جیسے ارشاد ہے:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ"

کہ اگر تم اس بات سے ڈرو کہ وہ (مرد و عورت) اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے تو ان پر گناہ نہیں، اگر عورت فدیہ دے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں زوجین کا ذکر صیغہ غائب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لہٰذا "خِفۡتُمۡ" سے مراد ظاہر ہے میاں بیوی نہیں ہو سکتے بلکہ اولی الامر مراد ہوں گے۔

اسی طرح اگر ان مقدمات کو دیکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ادوار مبارک میں پیش ہوئے تو ان میں بھی ہمیں "خَلِّ سَبِیۡلَهَا"، "فَارِقۡهَا"، اور "طَلِّقۡهَا"، کے الفاظ ملیں گے جو ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہیں کہ قاضی کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لعان اور مفقود الخبر کی صورتوں میں تو سب کے ہاں قاضی کا فیصلہ حجت مانا جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"ولنا انہ ثبوت الحرمۃ بفوت الامساک بالمعروف فیلزمہ التسریح باحسان فاذا امتنع ناب القاضی منابہ دفعا للظلم" (ھدایہ، ج ۱، ص ۲۹۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی کا فیصلہ، شرعی فیصلہ ہوگا۔

علماء نے ان آیات کی رو سے بھی عورت کو فسخ نکاح کا حقدار قرار دیا ہے:

"وَمَا جَعَلَ عَلَیۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ"

نیز:

"لَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا"

اور ایک حدیث "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" بھی ہے، جسے احمد، ابن ماجہ اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور شیخ شرف الدین دہلوی مرحوم نے کہا ہے کہ "رجالہ ثقات" کہ "اس کے رجال ثقہ ہیں"۔ ——— اور

حاکم کے ایسے فیصلہ کو فسخ نکاح سمجھا جائیگا کیونکہ ہمارے نزدیک "خلع" دراصل "فسخ نکاح" ہی ہے مگر خلع میں عورت کو علیحدگی کے لئے کچھ ادا کرنا پڑتا ہے اور فسخ نکاح میں کچھ واپس کرنا نہیں پڑتا جبکہ وہ اس کی مستطیع نہ ہو۔

(ب) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاکم کا یہ فیصلہ "شرعی" ہوگا تو پھر آگے نکاح کرنے پر کسی طرح کی پابندی کا سوال ہی فضول ہے۔ اب اسے شریعت کی طرف سے نئے نکاح کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے ہاں اگر وہ دوبارہ آپس میں سر جوڑ بیٹھیں اور بہتری کی کوئی نمایاں صورت ابھر آئے تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیت سے ظاہر ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ "

کہ " انہیں اس بات سے منع روکو کہ اپنے خاوندوں سے نکاح کرلیں "۔

اور یہ قول متفقہ ہے جس میں کسی کے اختلاف کا ذکر نہیں (ابن کثیر صفحہ ۲۷۶، ج ۱)

(ج) رہا یہ سوال کہ وہ کتنی عدت گذار کر نیا نکاح کرے، تو اس مسئلہ میں علماء کے دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ تین مہینے یا تین حیض عدت گذارے اور پھر نکاح کرے۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے:

"ذهب مالك وابوحنيفة والشافعي (في الجديد) واحمد واسحاق في رواية عنهما وهي المشهورة ان المختلعة عدتها عدة المطلقة بثلاثة قروء ان كانت ممن تحيض وروي ذالك عن عمر وعلي وابن عمر وبه يقول سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار وعروة وسالم وابو سلمة وعمر بن عبد العزيز وابن شهاب والحسن والشعبي وابراهيم النخعي وابو عياض وخلاس بن عمر وقتادة وسفيان الثوري والاوزاعي والليث بن سعد وابو العبيد قال الترمذي وهو قول اكثر اهل العلم من الصحابة وغيرهم والقول الثاني ...

... " وهو قول ابن عباس، عثمان بن عفان وابن عمر وطاؤس وعكرمہ واحمد بن حنبل والشافعي (القديم) واسحاق وداؤد بن علي الظاهري وابان بن عثمان "

کہ " قول اول تو یہ ہے کہ خلع والی کی عدت مطلقہ کی عدت کے برابر یعنی تین حیض ہے ..... اور دوسرا قول یہ ہے کہ استبراء رحم کے لئے صرف ایک حیض ہی کافی ہے "

اب ان ہر دو اقوال میں سے کون سا اصح ہے؟ تو دلیل کی رُو سے دوسرا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ خلع اصل میں فسخ ہے، طلاق نہیں! جیسے حبیبہ بنت سہل کی روایت کے تحت صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ:

"قال الخطابي في هذا الحديث دليل على ان الخلع فسخ وليس بطلاق ولو كان طلاقا لا تقتضي فيه شرائط الطلاق ووقوعه في طهر لم تمسس فيه المطلقة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومن کونہ صادراً من قبل الزوج وحدہ من غیر مرضاۃ المرأۃ فلما لم یتعرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحال واذن لہ فی مخالعتہا فی مجلسہ ذالک دل علی ان الخلع فسخ ولیس بطلاق والی ھذا ذھب ابن عباس" الخ (عون المعبود، ج ۲، ص ۲۳۶، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۵، ص ۲۸۶، ج ۱)

یعنی خلع اصل میں فسخ ہے، طلاق نہیں۔ اور اگر یہ طلاق ہوتا تو اس میں طلاق کی شرائط وغیرہ ہوتیں بلکہ واضح فرق یہ ہے کہ طلاق عورت کی رضامندی کے بغیر مرد کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ خلع عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں مرد کی رضامندی لازمی نہیں ہوتی۔

"وقال الخطابی فی المعالم ھذا ادل علی ان الخلع فسخ ولیس بطلاق لان اللہ تعالی قال "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" فلو کانت ھذہ مطلقۃ لم یقتصر لھا علی قرءٍ واحد" (تحفۃ الاحوذی، ص ۲۱۶، ج ۲)۔

ہمارے نزدیک یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے:

"عن ابن عباس ان امرأۃ ثابت بن قیس اختلعت من زوجھا فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعتد بحیضۃ" (ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۰۳، ترمذی مع التحفۃ ص ۲۱۶، ج ۲، ابن کثیر ص ۲۸۶، ج ۱)۔

اسی طرح ربیع بنت معوذ کی روایت بھی اسی کے حق میں ہے اور ابن کثیر نے بہت سی روایات اور بھی تحریر فرمائی ہیں (تفصیل کے لئے اس کی طرف مراجعت فرمائی جائے) نواب صدیق حسن خاں نے بھی فتح البیان میں فرمایا ہے کہ حق یہی ہے کہ سنۃ صحیحہ مخصص عموم قرآن ہے۔ فتاوٰی نذیریہ اور ثنائیہ میں تین حیض عدت قرار دی گئی ہے مگر مذکورہ صحیح روایات کے ہوتے ہوئے راقم کے نزدیک کسی بزرگ کا قول قابلِ التفات نہیں ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

© rasailojaraid.com